© rasailojaraid.com

ذیل کے مقالہ میں منکرین حدیث کے یہ تینوں اقسام پیش نظر رہے ہیں۔

وحی خفی کا ثبوت | ۱- وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ (پ۲۔ سورۃ البقرہ، آیت ۱۴۳) "اور نہیں بنایا تھا ہم نے اس قبلہ کو جس پر آپ تھے مگر اس لیے کہ ہم ظاہر کردیں (چھانٹ دیں)، اس کو جو رسول کی پیروی کرتا ہے ان لوگوں سے جو اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاتے ہیں۔

اس آیت میں لفظ وَجَعَلْنَا بتلا رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی ابتدائی زندگی میں خدا کے حکم سے ہی بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا تھا۔ لیکن یہ حکم قرآن میں کہیں نہیں ملتا۔ ظاہر ہے کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے وحی خفی کے ذریعے آپ کی رہنمائی فرمائی تھی۔

۲- وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَٰذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ (سورۃ تحریم آیت ۳) "اور جب نبی نے اپنی ایک بیوی سے راز کی بات کہی پھر اس (بیوی) نے (بات) ظاہر کردی اور اللہ تعالیٰ نے اس (بیوی کے طرز عمل سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کر دیا۔ تو آپ نے اس بات کا کچھ حصہ بتلا دیا اور کچھ حصہ سے اعراض کیا۔ پھر جب آپ نے اس بات کی بیوی کو خبر دی تو اس نے کہا آپ کو کس نے خبر دی، آپ نے فرمایا مجھے علیم و خبیر نے آگاہ کیا ہے۔"

اس آیت میں اظھرہ اللہ علیہ اور نبانی العلیم الخبیر یہ دو جملے زیر نظر مسئلے میں قابل غور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر کس طرح ظاہر کیا۔ علیم و خبیر کے اطلاع دینے کی نوعیت کیا تھی۔ اس کی تفصیل قرآن میں کہیں نہیں ملتی۔ ماننا پڑے گا کہ قرآن کے علاوہ وحی کی کوئی دوسری شکل بھی تھی جسے یہاں اظھرہ اللہ علیہ اور نبانی العلیم الخبیر سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔

۳- إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (پ۲۹۔ سورۃ القیامہ)

اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ قرآن مجید کی جمع و ترتیب کا کام اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب وہ نہیں ہے جو نزول کے وقت اختیار فرمائی گئی تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نیز یہ بھی امر واضح ہے کہ قرآن کی موجودہ جمع و ترتیب کی شکل خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق ظہور میں آئی تھی۔ اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی قرآنی حکم کی بنا پر تنزیلی ترتیب کو بدلا گیا تھا یا اس کی کوئی دوسری نوعیت تھی۔ ظاہر ہے کہ قرآن میں اس بارے میں کوئی حکم موجود نہیں ہے۔ اب آیت اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ کی روشنی میں اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ کہ قرآن کی موجودہ ترتیب وحی خفی کی رہنمائی سے وجود میں آئی ہے۔

۴۔ (الف) وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا (پ ۶۔ مائدہ ۵۸) "اور جب تم نماز کی طرف (بلانے کے لیے) اذان دیتے ہو تو وہ (مشرکین) اُسے کھیل کود بنا لیتے ہیں"

(ب) اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ پ ۲۸ (سورۃ الجمعہ ۹) "جب جمعہ کے دن نماز کے لیے ندا (اذان) دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو" ان دونوں آیات میں نماز جمعہ اور عام نمازوں کے لیے (ندا) اذان کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن قرآن میں اس بارے کوئی حکم یا کسی قسم کی تفصیلات نہیں ملتیں۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ یہاں وحی خفی کے ذریعہ آپ کی رہنمائی فرمائی گئی ہے۔

۵۔ فَاِذَا اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ (پ ۲۔ سورۃ البقرہ آیت ۲۳۹)

اس آیت سے قبل بیان ہوا ہے کہ اگر خوف کی حالت ہو تو نماز جس طرح ممکن ہو پڑھ لو، پیادہ ہو یا سواری پر۔ اب اس آیت میں ارشاد ہو رہا ہے کہ جب امن کی صورت ہو تو اللہ کو یاد کرو یعنی نماز پڑھو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم کو تعلیم دی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تعلیم قرآن میں تو ہے نہیں، لامحالہ ماننا پڑے گا کہ سنت میں نماز کے بیان کردہ نقشہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی ہی طرف منسوب فرمایا ہے اور اس کا ذریعہ وحی خفی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

اُسوہ حسنہ کے حجت ہونے پر (۱) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ

قرآن کی محکم شہادتیں

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (پ ۵ سورہ نساء آیت ۵۹)

اس آیت میں مندرجہ ذیل امور قابل غور ہیں۔

(الف) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دیتے ہوئے امر کا صیغہ اطیعوا بار بار دہرایا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیتے ہوئے بجائے لفظ اَطِیْعُوْا تیسری بار دہرانے کے صرف واؤ عاطفہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔ انداز بیان کا یہ فرق صاف واضح کر رہا ہے کہ اولی الامر کی اطاعت کو وہ مقام حاصل نہیں ہے جو اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کو حاصل ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت دائمی اور غیر مشروط ہے لیکن اولی الامر کی اطاعت عارضی اور مشروط ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اپنی جگہ پر کوئی امتیازی مستقل حیثیت نہیں رکھتی تو پھر لفظ اطیعوا کا دوبارہ لانا بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔

(ب) فان تنازعتم فی شیٔ

اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عوام اور اولی الامر یا عوام کے مختلف گروہوں یا افراد کے درمیان کسی معاملہ میں نزاع برپا ہو جائے۔ تو فیصلہ کے لیے آخری سند (،) صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس آیت نے واضح کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا قرآنی مطالبہ ایک الگ جداگانہ درجہ رکھتا ہے اور اولی الامر کی اطاعت کی حیثیت دوسری ہے۔ رسول کی اطاعت کو یہ کہہ کر ختم نہیں کیا جا سکتا۔ کہ رسول کی اطاعت کا مطالبہ صاحبِ امر کی حیثیت سے کیا جا رہا ہے اگر امر واقعہ یہی ہوتا تو قرآن کا انداز تخاطب یہ ہونا چاہیے تھا۔ اطیعوا اللہ واطیعوا اولی الامر منکم پھر رسول کو درمیان میں لانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟

(ج)۔ اللہ تعالیٰ تک ہم براہِ راست نہیں پہنچ سکتے اس کی اطاعت کے معنی یہ ہیں کہ اس کے کلام قرآن حکیم کی اطاعت کی جائے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد براہِ راست آپ سے استفادہ نہیں کیا جا سکتا۔ اب اطاعت کی اس کے سوا اور کیا صورت ہو سکتی ہے کہ آپ کے ثابت شدہ اقوال و افعال کو زندگی کے تمام شعبوں میں رہنما مانا جائے۔ یہاں یہ کہنا بھی بے بنیاد ہے کہ اطاعت کا لفظ صرف زندوں کے لیے مستعمل ہوتا ہے گزرے ہوئے انسانوں کی پیروی پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ قرآن یا مستند لغت عرب سے کہیں بھی اس قسم کی تحدید ثابت نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلے خطبے کے یہ الفاظ ظاہر کر رہے ہیں کہ اس بارے میں کسی قسم کی زمانی حد بندی قطعاً غلط ہے خلیفۂ اوّل نے فرمایا اطیعونی ما اطعت اللہ ورسولہٗ (سیرۃ ابن ہشام ج ۳ ص ۲۶۳۔ طبری ج ۳ ص ۲۰۳) یہاں حضرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابوبکر جیسے اہلِ زبان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت کر جانے کے بعد آپ کی پیروی کے لیے لفظ اطاعت استعمال کیا ہے۔

۲- وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا (پ ۵ - سورۃ النساء - آیت ۱۱۵)

اس آیت میں "سبیل المومنین" کو ترک کر کے کسی دوسری راہ اختیار کرنے پر شدید وعید سنائی گئی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ سنت کے بارے میں تیرہ سو سال کے طویل عرصہ میں "سبیل المومنین" کیا رہا ہے۔ خوارج اور معتزلہ میں سے چند افراد کے سوا تمام سلف و خلف اس بات پر متفق ہیں کہ سنت ماخذ شریعت اور فہم دین کے لیے ایک اہم ذریعہ ہے جسے کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ متفقہ عقیدہ امت میں اسی تواتر سے منقول ہوتا چلا آ رہا ہے جس تواتر سے قرآن مجید کا کلام الٰہی ہونا شروع سے اب تک مشہور و معروف ہے۔ اس معاملہ میں چند منتشر افراد کی غوغا آرائی امت کے اس متفق علیہ عقیدے پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ ورنہ پھر خود قرآن کی قطعیت بھی مشتبہ ہو کر رہ جائے گی۔ شہرستانی نے لکھا ہے کہ خوارج میں سے فرقہ عجاردہ (میمونیہ) سورۂ یوسف کے الہامی ہونے کا قائل نہ تھا۔ (الملل والنحل ص ۱۳۶) اب کیا اس شرذمۂ قلیلہ کے اختلاف سے قرآن کے بارے میں امت کا اجماعی فیصلہ مخدوش ہو سکتا ہے؟

۳- اطیعوا اللہ والرسول - (پ ۳ - سورۂ آل عمران ۳۲)

یہاں اطاعتِ رسول کا اسی طرح مطالبہ کیا گیا ہے جس طرح آیت فامنوا باللہ ورسولہ (پ ۲۸ الحدید) میں ایمان بالرسول پر زور دیا گیا ہے۔ جس طرح ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسول بھی لازمی ہے محض ایمان باللہ سے ایمان بالرسول کا مطالبہ پورا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت بھی ضروری ہے محض اللہ کی اطاعت، اطاعتِ رسول کے مطالبہ کو پورا نہیں کر سکتی۔ اس مفہوم کی آیات میں ترتیب کلام کا جو انداز اختیار کیا گیا ہے اس سے اتنا فرق ضرور معلوم ہوتا ہے کہ کتاب اللہ (قرآن) کی اطاعت بہر حال رسول (سنت) کی اطاعت پر مقدم ہوگی۔

۴- رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ب) البقرہ ۱۲۹۔ پ ۲ (۱۰۱) ترتیب کلام میں تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ یہی الفاظ آل عمران - ۸۱) پ ۴ سورۃ الجمعہ ۲ میں بھی ملتے ہیں۔

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار اوصاف بیان کیے گئے ہیں (۱) تلاوت آیات۔ (۲) تعلیم کتاب (۳) تعلیم حکمت (۴) تزکیہ۔ یہاں تلاوت آیات اور تعلیم کتاب دو جداگانہ اوصاف ہیں تلاوت کے معنی ہیں پڑھ دینا' اور تعلیم کے معنی ہیں سکھانا معلم جب کسی کتاب کی تعلیم دیتا ہے تو اپنے الفاظ میں اس کی تشریح کرتا ہے۔ اجمال کی گرہیں کھولتا ہے۔ معنی کے ابہام و اشتراک کی صورت میں مصنف کی اصل مراد کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اور بعض دفعہ اُسے عملی نقشہ کھینچ کر سمجھانا پڑتا ہے۔ یہ نہ ہو تو تعلیم کتاب کا اصل مقصد ہی حاصل نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ۲۳ سالہ زندگی میں اس منصب کے تمام تقاضے باحسن وجوہ پورے کر دکھائے۔ اس طرح سنت کا وہ ذخیرہ جو قرآنی اجمالات کی شرح کرتا ہے تعلیم کتاب کے ماتحت آجاتا ہے مثلاً قرآن حکم دیتا ہے اقیموا الصلوٰۃ لیکن اس اجمال کی پوری تفصیل حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قول و عمل سے پوری امت کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا وصف تعلیم حکمت بیان کیا گیا ہے اس سے انکار نہیں کہ قرآن بھی سراپا حکمت ہے لیکن واو عطف کے ساتھ کتاب کے بعد الحکمۃ کا ذکر واضح کرتا ہے کہ یہاں قرآن کے علاوہ دوسری شے مراد ہے۔ اب ظاہر ہے کہ قرآن کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے سوا اور کیا چیز حکمت قرار دی جاسکتی ہے۔ اس حکمت و دانائی کے اعلیٰ نمونے ہمیں آپ کے اجتہادی فیصلوں میں نظر آتے ہیں جو آپ نے قرآنی بصیرت کی بنا پر فرمائے ہیں۔ مثلاً قرآن میں ہے ان تجمعوا بین الاختین یعنی دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھوپھی، بھتیجی اور خالہ، بھانجی کو بھی بیک وقت نکاح میں رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کی علت اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسلام صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے لیکن اس قسم کے رشتے قطع رحمی کا سبب بن جاتے ہیں۔

ممانعت کی یہ علت خود ساختہ نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ارشاد فرمائی ہے۔ وَاِذَا فعلتم ذالک فقد قطعتم ارحامکم (ابن حبان۔ نیل الاوطار، الموافقات للشاطبی ج ۳ ص ۱۹۲ طلوع حب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تم یہ کرو گے تو اپنے رشتے کاٹ ڈالو گے۔

توضیح مدعا کے لیے مزید مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ قرآن نے ایک واضح اصول کے ماتحت نواقض وضو کی ایک مختصر فہرست پیش کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اصول کی روشنی میں دُبر سے خارج شدہ ریح اور نیند کو بھی نواقض وضو میں سے شمار کیا ہے۔

۲۔ قرآن نے خمر کو حرام قرار دیا ہے۔ لفظ خمر سے بظاہر شراب کی اتنی ہی مقدار کی حرمت ثابت ہوتی ہے جو نشہ آور ہو۔ لیکن حدیث نے واضح کر دیا ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام۔ یعنی جس مشروب کے دس قطرے نشہ آور ہوں اُس کا ایک قطرہ بھی حرام ہے۔

۳۔ قرآن نے میتہ کو حرام ٹھہرایا ہے۔ بظاہر لفظ "میتہ" مردار کی ہر نوع کو شامل ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت میتہ کی اصل علت کو سامنے رکھتے ہوئے مردہ مچھلی اور ٹڈی کو حلال قرار دیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تعلیم کتاب کے تحت سنت کا وہ ذخیرہ آجاتا ہے جو قرآن کے کسی اجمال کی تشریح کرتا ہے اور تعلیم حکمت سے سنت کا وہ حصہ مراد ہے جو قرآنی اصول و کلیات کی روشنی میں کیے ہوئے اجتہادی فیصلوں پر مشتمل ہے۔

چند شبہات کا ازالہ ۱۔ ازواجِ رسول کو قرآن میں حکم دیا گیا ہے:

(ا) وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ۔ (پ ۲۲۔ الاحزاب۔ ۳۴)

جس سے معلوم ہوا کہ "حکمت قرآن میں شامل ہے ورنہ حدیثوں کی کون تلاوت کرتا ہے"۔ یہاں اردو زبان کے محاورے میں تلاوت کا جو مفہوم ہے اُسے مندرجہ بالا آیت پر چسپاں کر کے پُرفریب مغالطہ دینے کی سعی کی گئی ہے۔ عربی میں تلاوت کے معنی پڑھنے اور پیروی کرنے کے ہیں۔ لیکن اُردو میں تلاوت کا یہ لفظ تقریباً کُھم معنی ہے۔ خود قرآن مجید میں تلاوت کا یہ لفظ غیر قرآن کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً

قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (پ ۴۔ سورۂ آل عمران۔ آیت ۹۳)

(ب) وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ ۔ ترجمہ: اور انہوں نے پیروی کی اُس کی جو شیاطین حضرت سلیمان کے عہد میں پڑھا کرتے تھے۔ (پ ۱۔ البقرہ۔ آیت ۱۰۱)

۲۔ قرآن میں ہے "ہم نے لقمان کو حکمت دی"، کیا لقمان کو خاتم النبیین کی حدیثیں دی گئی ہیں"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں پھر مغالطہ دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اصل میں دعویٰ یہ نہیں ہے کہ لغتِ عرب میں حکمت کے معنی ہی سنت کے ہیں یا قرآن میں جہاں کہیں بھی حکمت کا لفظ آیا ہے اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مراد ہے۔ بلکہ استدلال یہ ہے کہ قرآن حکیم میں الکتاب (قرآن) کے ساتھ جہاں کہیں الحکمۃ کا ذکر ہے اس سے مراد سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ کیونکہ قرآن کے بعد اگر کسی چیز کو حکمت قرار دیا جاسکتا ہے تو وہ سنتِ رسول ہی ہوسکتی ہے۔ اس استدلال کو پوری تفصیل کے ساتھ امام شافعی نے اپنی بلند پایہ تصنیف کتاب الام ج ۷ میں بیان کیا ہے۔

۳۔ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ (پ ۱۴۔ النحل۔ ۴۴) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت (نعوذ باللہ) پوسٹ مین کی سی نہ تھی کہ الکتاب لانے اور امت کے حوالہ کر کے رخصت ہو گئے۔ بلکہ خود قرآن آپ کو منصبِ تبیین عطا کرتا ہے۔ اب یہ الذکر (قرآن) کی تبیین آپ نے کس طرح فرمائی اس کی مختلف انواع ذیل کی تفصیل سے معلوم ہوسکتی ہیں۔

۱۔ قرآنی اجمال کی تفصیل: الف۔ مثلاً اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ۔ رکعاتِ صلوٰۃ۔ آدابِ صلوٰۃ۔ اسی طرح شرح نصابِ زکوٰۃ اور اس قسم کے دوسرے متعلقہ اہم مسائل ہم کو حدیث میں ملتے ہیں۔

ب۔ اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا۔ آیت میں چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم موجود ہے مگر کتنا ہاتھ اور کتنی چوری پر؟ تو یہ سب تفصیلات ہم کو حدیث میں ملتی ہیں۔

۲۔ معنی مقصود کی تعیین: یعنی ایک لفظ جو قرآن میں استعمال ہوا ہے وہ لغوی لحاظ سے کئی معنی کا محتمل ہے یا ایک ہی معنی اپنے اندر بسیط وسعتیں رکھتا ہے۔ لیکن سنت نے تعیین یا تحدید کر دی ہے۔ مثلاً:

الف۔ قرآن میں ہے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ (پ ۷۔ سورۃ الانعام۔ ۸۱) "جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کیا تو انہی لوگوں کے لیے امن ہے اور یہی لوگ راہ یاب ہیں۔"

روایات میں ہے کہ صحابہ نے اس آیت کو سن کر کہا تھا کہ اَیُّنَا لَمْ یَظْلِمْ (ہم میں سے کون ہے جو ظلم سے آلودہ نہ ہوا ہو)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پریشانی کو اس طرح دور فرمایا کہ یہاں ظلم سے مراد

© rasailojaraid.com

شرک ہے (بخاری)۔ اس تفسیر کی تائید قرآن کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (لقمان)
اگر اس پیغمبرانہ تفسیر کو نہ تسلیم کیا جائے تو لازم آئے گا کہ ظلم کی ہر قسم کا ارتکاب ایک مسلمان کو امن اور نجات سے کلیتہً محروم کر دے گا کیونکہ اُولٰئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ میں انداز حصر اسی کا متقضی ہے۔ حالانکہ اصل صورت حال یوں نہیں ہے (اس طرح تو خوارج کے عقیدے کی تائید ہوتی ہے)

(ب) وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (پ۱۰ التوبہ ۳۴)۔ کنز کے معنی جمع کرنے کے ہیں لغوی لحاظ سے اس کی کوئی تخصیص نہیں ہے کہ وہ رقم تھوڑی ہو یا زیادہ لیکن جب حضرت عمرؓ نے سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا جس جمع شدہ رقم کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ کنز شمار نہیں ہوگی۔ (ابن ماجہ۔ کتاب الزکوٰۃ)

دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں ان اللہ لم یفرض الزکوٰۃ الا لیطیب بھا ما بقی من اموالکم۔
یعنی اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ فرض نہیں کی مگر اس لیے کہ اس کے ذریعہ باقی ماندہ مال کو پاک کر دے (ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ)

۳۔ واقعاتی پس منظر کی وضاحت | یعنی قرآن میں عہد نبوی کے مختلف واقعات ملتے ہیں لیکن انداز بیان اتنا مختصر ہے کہ جب تک سنت کے ذریعے پورا پس منظر سامنے نہ آجائے اصل واقعہ کے تمام خدوخال نمایاں نہیں ہو سکتے۔ مثلاً (الف) واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انھا لکم (پ۹ الانفال ۷)
اس آیت میں غزوۂ بدر کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن اس بارے میں مفصل معلومات حدیث سے واضح ہو سکتی ہیں اسی طرح وعلی الثلاثۃ الذین خلفوا (پ۱۱ التوبہ ۱۱۸) عَبَسَ وَتَوَلّٰی اور اس قسم کی دوسری آیات کو اس موقعہ پر پیش نظر رکھنا چاہیے۔

۴۔ شرائط و موانع کی توضیح | یعنی قرآن ایک حکم دیتا ہے لیکن اس کے نفاذ کی شرائط کیا ہیں، موانع کیسے ہیں۔ ان کی تفصیلات سنت سے معلوم ہوتی ہیں۔ یا ایک حکم ابتداءً بظاہر عام ہوتا ہے لیکن سنت میں مستثنیات کی فہرست بیان کر دی جاتی ہے۔

مثلاً (الف) قرآن میں ہے واحل لکم ما وراء ذالکم (پ۵ سورۃ النساء آیت ۲۴) لیکن یہ [illegible] ہیں اس کی وضاحت اور اس باب میں شرائط کی پوری تفصیل حدیث میں ملتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ب) قرآن میں ہے يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ (پ ۴ نساء آیت ۱۱) "اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو وصیت کرتا ہے کہ مرد کے لیے دو عورتوں جیسا حصہ ہے۔" یہاں اولاد کے وارث ہونے کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔ حدیث میں وضاحت ہے کہ اختلاف مذہب، اور قتل موانع ارث میں سے ہیں یعنی کافر بیٹا اور باپ کا قاتل وارث نہیں ہو سکتا۔

(ج) قرآن میں ہے مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ (پ ۴ نساء۔ ۱۱) "اس وصیت کے بعد جو تم کرتے ہو اور قرض کی ادائیگی کے بعد۔" یہاں وصیت کے جواز کے لیے عام حکم ملتا ہے لیکن حدیث میں ہے کہ ایک تہائی سے زیادہ وصیت نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس طرح اصل قریبی رشتہ داروں کی حق تلفی ہوتی ہے۔

(د) قرآن میں میتہ (مردار) کو حرام قرار دیا گیا ہے لیکن حدیث میں اس حکم سے دو حیوانات کو مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ مچھلی اور ٹڈی۔

۵۔ قرآنی اصول و کلیات کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہادی فیصلے۔ مثلاً:

قرآن آپ کا منصب بیان کرتا ہے يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ (پ ۹۔ الاعراف ۱۵۷) یعنی پاکیزہ چیزیں ان کے لیے حلال کرتا ہے اور خبیث و ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے۔

آپ اس اصول کی روشنی میں گدھا، کتا، پھاڑنے والے جانور، پنجے دار پرندے حرام ٹھہراتے ہیں۔

۶۔ مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا (پ ۲۸۔ سورہ حشر ۷) "جو رسول تمہیں دے اُسے لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز آجاؤ۔"

سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا نزول مال فے کے بارے میں ہوا ہے لیکن ساتھ ہی الفاظ کے عموم سے جو ایک عام حکم اور کلی قاعدہ معلوم ہوتا ہے اس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ اسی بنا پر حضرت عبداللہ بن مسعود نے اسی آیت کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے ایک عورت کو وشم سے منع کیا اور آیت ما آتاکم الرسول پڑھتے ہوئے فرمایا "اس سے وشم (جسم گدوانے) کی بھی ممانعت ہو گئی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لعن اللہ الواشمات (صحیح بخاری پ ۲۰ سورہ حشر)

۷۔ مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (پ ۵۔ سورہ نساء۔ ۸۰) "جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں یطع الرسول سے قرآن کی اطاعت مراد نہیں ہے بلکہ سنت کی پیروی مراد ہے۔ کیونکہ قرآن کی اطاعت کے بارے میں تو کسی کو شک ہی نہیں تھا کہ وہ اللہ کی اطاعت نہیں ہے۔ اگر کچھ وہم ہو سکتا تھا تو وہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہو سکتا تھا کہ اس کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہوگی یا نہیں۔ مندرجہ بالا آیت نے اس قسم کے وہم کی جڑ کاٹ دی ہے۔ اس آیت کا سا انداز حسب ذیل دو آیتوں میں بھی ملتا ہے:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (پ ۹ - الانفال - ۱۷) "اور آپ نے نہیں (تیر) پھینکے جبکہ آپ نے پھینکے لیکن اللہ نے پھینکے۔"

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ (پ ۲۶ - الفتح - ۱۰) "بلاشبہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں بس وہ تو اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔"

آپ کا فعل رمی یا مسلمانوں کا آپ سے بیعت کرنا خدا کے حکم سے تھا اس لیے ان دونوں افعال کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ اسی طرح رسول کی اطاعت بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہے اس لیے اسے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔

۸ - لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا (پ ۱۸ - سورہ النور - ۶۳) یعنی رسول کی پکار کو آپس میں ایک دوسرے کی پکار کی طرح نہ قرار دو۔"

قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذًا فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (پ ۱۸ - نور - ۶۳) "بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جانتا ہے جو تم میں سے پناہ لیتے ہوئے کھسک جاتے ہیں، پس چاہیے کہ ڈریں وہ لوگ جو اس (نبی) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں کہ مبادا ان کو کوئی فتنہ نہ لپیٹ لے یا دردناک عذاب آگھیرے۔"

اس آیت میں رسول کی دعوت (پکار) کو آپس میں ایک دوسرے کی پکار کے برابر قرار دینے سے روکا گیا ہے۔ اب اگر رسول کی حیثیت صرف صاحب امر کی مان لی جائے تو پھر کدعاء بعضکم بعضا کے کیا معنی ہوں گے کیونکہ صاحب امر بھی تو امت ہی کا ایک فرد ہوتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ نبی کے ارشادات امت کے تمام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

افراد سے بالاتر ہیں۔ ہر امتی سے خطا ہو سکتی ہے لیکن نبی اپنے قول و فعل میں خطا سے پاک ہوتا ہے۔ اگر کبھی اس سے اجتہاد میں لغزش ہو بھی جاتی ہے تو فوراً وحی الٰہی اس کی رہنمائی کرتی ہے۔

۹۔ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ رپ۲۲ سورہ احزاب۔۳۶) "اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کردیں تو ان کے لیے اختیار کی گنجائش باقی رہ جائے"۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو الگ الگ واو عطف کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ دونوں کے مصداق بھی علیحدہ علیحدہ ہیں یعنی قضاء اللہ سے قرآن اور قضاء الرسول سے سنت مراد ہیں۔

۱۰۔ وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلٰى مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَإِلَى الرَّسُوْلِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا رپ۵۔ سورۃ النساء۔ ۶۱) "جب ان سے کہا جائے کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے اور رسول کی طرف تو آپ دیکھیں گے کہ منافقین کس طرح آپ سے اعراض کیے چلے جاتے ہیں"۔

اس آیت میں دو لفظ قابل غور ہیں۔ الی ما انزل اللہ۔ والی الرسول پہلے لفظ سے مراد تو قرآن مجید ہے اب الی الرسول کے کیا معنی ہیں۔ کیا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے سوا بھی کچھ مراد لیا جا سکتا ہے قرآن مجید میں اس قسم کی بیسیوں آیات ہیں آخر کہاں کہاں واؤ عاطفہ کو واؤ تفسیریہ قرار دے کر اطاعت رسول کو اطاعت قرآن ہی ٹھہرایا جائے گا کس کس جگہ الرسول سے مرکز ملت مراد لے کر رسول کی امتیازی حیثیت کو ختم کیا جائے گا۔ جب حقیقی معنی بنتے ہوں تو مجازی اور بناوٹی معنی پر اصرار کرنا آخر کونسی زباندانی ہے۔ مجازی معنی کے لیے بھی قرائن کی ضرورت ہوتی ہے یونہی حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کا راگ الاپا نہیں جا سکتا۔

خبرِ واحد کی حجیت[1] | ۱۱۔ اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا رپ۲۶ الحجرات)

[1] محدثین کی اصطلاح میں حدیثِ متواتر کے علاوہ تمام روایات کو خبرِ واحد ہی شمار کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کے مختلف اقسام عزیز، غریب، مشہور قربت و یقین کے اعتبار سے الگ الگ مدارج رکھتے ہیں۔ خبرِ متواتر وہ ہے جس کے راوی ہر دور میں اتنے ہوں کہ عادۃً ان کا اتفاق کذب پر محال سمجھا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس آیت میں فاسق کی خبر کے بارے میں چھان بین کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر راوی (خبر دینے والا) ثقہ ہو تو اس کی خبر قابلِ اعتماد ہوگی۔ اسی آیت کو سامنے رکھتے ہوئے محدثین نے رواۃِ حدیث کی امکانی حد تک خوب تحقیق کی اور اسماء الرجال جیسا عظیم الشان فن مدوّن کر ڈالا۔

۲۔ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (پ۱۱۔ سورۃ التوبہ۔ ۱۲۲)

عربی زبان میں طائفہ کا اطلاق فرد اور گروہ دونوں کے لیے آتا ہے۔ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ (پ۱۸۔ سورۃ نور۔ ۲) کی تفسیر میں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں (الواحد فما فوقہ) (المختار من الصحاح)

اسی طرح ان طائفتان من المومنین اقتتلوا (پ۲۶ الحجرات) میں طائفہ سے فرد اور طائفہ دونوں مراد ہیں۔

اس وضاحت کی بنا پر مذکورہ بالا آیت اس بارے میں صریح طور پر ناطق ہے کہ دینی معاملات میں ایک فرد یا دو تین افراد کی خبر یا روایت قابلِ اعتماد ہوگی۔

۳۔ وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ (پ۲۰ القصص ۲۰)

ایک شخص کے خبر دینے سے حضرت موسیٰ گھر چھوڑ کر نکل کھڑے ہوتے ہیں۔

۴۔ قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا (پ۲۰ قصص ۲۵) "حضرت شعیبؑ کی صاحبزادی نے حضرت موسیٰ سے کہا میرے والد آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ کو پانی پلانے کی مزدوری ادا کر دیں"۔

دینی معاملات ہوں یا دنیاوی کاروبار، خبر واحد پر اعتماد کیے بغیر چارہ نہیں ہے۔ ہاں اگر کہیں شک کی صورت ہو تو دوسرے قرائن کو بھی تلاش کیا جا سکتا ہے۔ محدثین نے اصولِ روایت میں اس پہلو کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔

۵۔ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ (پ۲۸۔ سورۃ طلاق ۲)

قرآنِ حکیم نے متعدد مقامات پر عادل شاہدوں کی گواہی کو قابلِ اعتماد ٹھہرایا ہے۔ اگرچہ شہادت اور روایت میں بہمہ وجوہ یکسانیت نہیں ہے۔ تاہم اس حکم سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے اہم معاملات کے بارے میں محض دو عادل گواہوں کی شہادت پر قاضی فیصلہ دے سکتا ہے۔ اسی طرح انہی صفات سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متصف عادل راویوں کی روایت کیوں نہ قبول ہوگی۔[1]

آیات متعلقہ انکار حدیث کی صحیح تاویل تَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (الاعراف۔ ۱۴۵) تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (نحل ۸۹) کہا جاتا ہے کہ جب قرآن کا خود اعلان ہے کہ ہر مسئلہ کی تفصیل اس میں موجود ہے تو پھر قرآن سے باہر جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ان آیات کا صحیح مطلب یہ ہے کہ قرآن نے دین کے بنیادی اصول اور مہمات شریعت کو بغیر کسی ایچ پیچ کے پوری وضاحت و تفصیل سے بیان کر دیا ہے کہ اشتباہ و ابہام کا شائبہ تک بھی باقی نہیں رہا ہے۔

یہاں لفظ کل حقیقی استغراق (ایسا عموم جو تمام افراد کو شامل ہو) کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ کل ایسا ہی ہے جیسا مندرجہ ذیل آیات میں ہے:۔

(الف) ثُمَّ كُلِي مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ (پ ۱۴۔ نحل۔ ۶۹) "پھر تو کھا ہر قسم کے پھلوں میں سے۔"

(ب) وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ (الحج۔ ۱۷)

(ج) وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ (نمل ۲۳۔ پ ۱۹)

ظاہر ہے کہ یہاں تمام قسم کے پھل، اونٹوں کے تمام افراد اور ہر قسم کی تمام چیزیں مراد نہیں ہیں۔ آخری آیت وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ پر مزید غور کر لیا جائے۔ یہاں ملکہ سبا کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اسے ہر قسم کی چیزوں میں سے عطا کیا گیا تھا یعنی امور سلطنت سے متعلق تمام بنیادی لوازمات اس کے پاس موجود تھے۔

[1] یہاں یہ بات بھی واضح رہے ایک مسلمان کی جان و مال کی حرمت قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہ قطعیت اس شکل میں باقی نہیں رہتی جبکہ عدالت میں دو گواہوں کے ذریعے اس کا قاتل ہونا ثابت کر دیا جائے، ظاہر ہے کہ دو گواہوں کی شہادت ظن اور گمان غالب سے آگے نہیں بڑھ سکتی، غور کیا جائے کیا یہاں ایک قطعی الثبوت حکم کی تخصیص ظنی الثبوت معاملہ کے ذریعہ نہیں کی جا رہی ہے؟

[2] اس تحریر میں کوشش کی گئی ہے کہ ان آیات کا صحیح مفہوم واضح کیا جائے جن کو منکرین حدیث عام طور پر غلط معنی پہنا کر حدیث سے بے اعتمادی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس طرح دو فائدے حاصل ہوں گے (۱) قرآن کے بعض اہم مقامات کی صحیح تاویل و تشریح قارئین کرام کے سامنے آجائے گی (۲) منکرین حدیث کی علمی صلاحیت و دیانت کی حقیقت بھی بے نقاب ہو جائے گی کہ کس طرح انہوں نے خدمت قرآن کے پردے میں حقائق قرآنی کو توڑا مروڑا ہے اور اپنے مقاصد کی خاطر آیات کی معنوی تحریف سے بھی باز نہیں آئے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ لفظ کل اس موقع پر استعمال ہو رہا ہے جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس لوازمات حکومت و مملکت ملکہ سبا سے نہیں زیادہ تھے۔

باقی رہا یہ دعویٰ کہ قرآن تمام اصول و فروع اور کلیات و جزئیات کو تفصیلاً بیان کرتا ہے تو یہ ایسی خام خیالی ہے کہ جو حقیقت اور مشاہدے کے یکسر خلاف ہے۔ قرآن نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا ہے کہ ان سے متعلق مسائل تفصیلاً تو کجا اجمالاً بھی قرآن میں نہیں ملتے۔ عقلاً بھی یہ درست نہیں ہے کہ قرآن ہر قسم کی تفصیلات پر مشتمل ہوتا۔ پھر تو اس کی یہ خوبی بھی بیان نہ کی جاسکتی۔ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ (عنکبوت ۴۹)

"بلکہ وہ روشن نشانیاں ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جو علم کی نعمت سے نوازے گئے ہیں"

۲۔ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (انعام ۳۸) "ہم نے کتاب میں کسی چیز کو بھی نہیں چھوڑا ہے۔"

صحیح مفہوم سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پوری آیت کو سامنے رکھا جائے۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ "زمین میں کوئی جانور نہیں ہے اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے بازوؤں سے اڑتا ہو مگر یہ کہ وہ تمہاری طرح امتیں ہیں، پھر تم اپنے رب کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔

سیاق و سباق بتلا رہا ہے کہ یہاں الکتاب سے مراد علم الٰہی ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ "اور جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے، کوئی پتہ نہیں جھڑتا مگر وہ اسے جانتا ہے اور نہ کوئی دانہ ہے زمین کی تاریکیوں میں اور نہ کوئی تر چیز ہے اور نہ خشک مگر یہ کہ وہ کتاب مبین میں موجود ہے۔"

نیز ملاحظہ ہو سورۃ سبا آیت ۳)

بالفرض اگر یہاں الکتاب سے قرآن ہی مراد لیا جائے تب بھی اس سے سنت کا انکار لازم نہیں آتا۔ اس کا مطلب وہی ہوگا جو تبیاناً لکل شیءٍ کے ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یُؤْمِنُوْنَ (پ ۲۱ عنکبوت) ۔ اس آیت کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ جب قرآن ہمارے لیے کافی ہے اور سراپا رحمت و نصیحت ہے تو پھر سنت و حدیث کے سہارے کی کیا ضرورت ہے۔ یہاں بھی ہوشیاری کے ساتھ آیت کو اصل سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے پیش کیا گیا ہے۔ یہ استدلال لا تقربوا الصلوٰۃ سے کم مضحکہ خیز نہیں ہے۔

اس سے پہلے کی آیت میں مشرکین مکہ کے اس مطالبہ کو نقل کیا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نشانیاں کیوں نہیں دکھاتے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۔ "انہوں (مشرکین مکہ) نے کہا اس (نبی) پر اس کے رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں نازل ہوتیں۔ کہہ دیجیے نشانیاں اللہ کے اختیار میں ہیں، میں صرف کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں۔"

اس کے بعد فرمایا اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ یعنی یہ مشرکین حسی نشانیاں کیوں طلب کرتے ہیں۔ ان کے پاس تو سب سے بڑی نشانی اللہ کی کتاب آچکی ہے کیا وہ کافی نہیں ہے۔ اس روشن اور عظیم ترین معجزے کے ہوتے ہوئے جو کہ سراپا رحمت و نصیحت ہے دوسرا معجزہ طلب کرنا بے عقلی نہیں تو کیا ہے۔ سیاق و سباق سے نمایاں ظاہر ہے کہ یہاں سنت و حدیث سے کوئی بحث نہیں ہے۔ اصل مقصود تو مشرکین کے مطالبہ کا جواب دینا ہے۔

۳۔ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ ([illegible]) "اور میری طرف یہ قرآن اتارا گیا ہے تاکہ میں تم کو اس کے ذریعے سے آگاہ کروں اور ان کو بھی جن تک یہ پہنچے۔"

دوسری جگہ ہے:۔

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ (پ ۱۷ ع ۳) "کہہ دے کہ میں تم کو وحی کے ذریعے سے آگاہ کرتا ہوں۔"

ان آیات کی تشریح میں حافظ اسلم صاحب جیراج پوری لکھتے ہیں[1]

"وہ حصر ہے کہ سرمایۂ انذار صرف قرآن ہے اور وہی لوگوں کے آگاہ کرنے کے لیے وحی کیا گیا ہے اسی کو آنحضرت نے لکھوایا اور لوگوں کو یاد کرایا۔"

[1] رسالہ علم حدیث ص ۔۔ شائع کردہ طلوع اسلام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں بڑی ہوشیاری سے دونوں آیات کے مطالب کو خلط ملط کر کے یہ معنی پیدا کیے گئے ہیں کہ سرمایہ انذار صرف قرآن ہے۔ پہلی آیت میں بغیر کسی حصر کے یہ کہا گیا ہے کہ میری طرف قرآن وحی کیا گیا ہے "تاکہ اس کے ذریعہ سے میں تم کو اور جن کو یہ آواز پہنچے ڈرا دوں۔ اس آیت میں اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ قرآن کے علاوہ آپ پر کوئی دوسری وحی نازل نہیں ہوتی تھی۔ ہاں دوسری آیت میں حصر کا لفظ اِنَّمَا موجود ہے لیکن وہاں قرآن کے بجائے وحی کا لفظ ہے جو سلف سے خلف تک پوری امتِ مسلمہ کے نزدیک سنت کو بھی شامل ہے۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ بغیر کسی مغالطہ آمیزی کے کیا قرآن میں کوئی ایسی آیت دکھائی جا سکتی ہے جو واضح طور پر یہ تبلائے کہ وحی کے طور پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سوائے قرآن کے اور کوئی چیز نازل نہیں ہوئی؟

قرآن میں معنوی تحریف مذکورۂ بالا تفصیلات کے بارے میں تو کسی حد تک یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ کسی غلط فہمی کی بنا پر ان آیات سے سنت کے خلاف استدلال کیا گیا ہو لیکن مندرجہ ذیل استدلال تو قرآنی تحریف اور حدیث دشمنی کا کھلا ہوا شاہکار ہے۔ اس طرزِ عمل کو سامنے رکھتے ہوئے تو باور نہیں کیا جا سکتا کہ سنت کی مخالفت دیانتدارانہ طور پر محض غلط فہمی کی بنا پر کی جا رہی ہے۔

(۵) وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ (سورۂ لقمان) اس آیت کا ترجمہ حافظ اسلم صاحب کے قلم سے اس طرح شائع ہوا ہے:

"اور لوگوں میں سے وہ ہیں جو حدیث کے مشغلہ کے خریدار ہوتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں"

۱؎ علم حدیث ص۔ مقام حدیث ج ا ص ۱۵۶

حدیث کے معنی عربی زبان میں بات کے ہیں۔ اس لغوی معنی کے اعتبار سے حدیث کا لفظ خدا کی بات رسول کی بات، صحابہ اور عام مسلمانوں کی بات، بلکہ کافروں کی بات اور شیطان کی بات پر بھی بولا جا سکتا ہے۔

(الف) اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا "اللہ نے ملتے جلتے مضامین والی بہترین حدیث نازل فرمائی ہے" یہاں قرآن کو احسن الحدیث کہا گیا ہے۔

(ب) وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا (پ ۲۸۔ سورۂ تحریم)

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سرگوشی کو حدیث سے تعبیر کیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ج) وَلَا مُسْتَأْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ (پ ۲۲ - الاحزاب) "اور نہ مشغول ہوتے ہوئے باتوں میں"

یہاں صحابہ اور عام مسلمانوں کی گفتگو پر لفظ حدیث کا اطلاق کیا گیا ہے۔

(د) حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ۔ یعنی کافر مشرک اگر اپنی مجالس میں اسلام کا مذاق اڑاتے ہوں تو ان کی ہم نشینی سے اجتناب کیا جائے الا یہ کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں، اس موقع پر اعداءِ اسلام اور کفار و مشرکین کی گفتگو پر حدیث کا لفظ بولا گیا ہے۔

(ھ) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ۔ یہاں اُن تمام شیطانی باتوں اور ہتھکنڈوں کو لہو الحدیث قرار دیا گیا ہے جن سے انسان خدا سے غافل ہو کر انسانیت کے لیے گمراہی اور فساد کا باعث بن جاتا ہے۔

اس آیت کو حدیث کے اُس اصطلاحی معنی سے دُور کا بھی تعلق نہیں ہے جو محدثین اور فقہاء کے توسط سے امت میں شروع سے منتقل ہوتا آیا ہے۔ پھر یہ بھی واضح رہے کہ دونوں آیتیں مکی سورتوں میں سے ہیں۔ مکی دور میں مسلمان مشرکین مکہ کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے ان کو حدیث تو کجا قرآن کی کتابت و ترتیب کا موقع بھی بسہولت فراہم نہ ہوتا تھا۔ ان حالات میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ مکی زندگی کے پرآشوب زمانہ میں مسلمان حدیث کے مجموعے یا مشغلے خریدتے پھرتے تھے۔ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ کی اس سے بدترین مثال اور کیا ہوگی۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ:۔

فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا۔ (پ ۵ - سورۃ نساء ۷۸)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطبوعات

بامِ رفعت (مجموعۂ کلام) بجناب اثر صہبائی۔ شائع کردہ: اکادمی پنجاب، ادبی دنیا منزل لاہور۔ قیمت مجلد تین روپے۔

اثر صہبائی اردو زبان کے ایک مشہور شاعر ہیں جنہوں نے بے جا جدت طرازی کی رو میں بڑے بغیر اپنا ایک سنجیدہ طرز پیدا کیا ہے۔ یہ جو ہوتی آئی ہے کہ قلب و نظر کی دنیاؤں میں بیشتر کارواں نقطۂ مجاز سے چلے اور پھر بھٹکتے بھٹکاتے سیدھے مقامِ حقیقت پہ جا نکلے، اثر صہبائی کے خیال اور فن کی بھی سرگذشت یہی ہے۔ دراصل انسانی روح کا نہ بچپن ہوتا ہے جبکہ وہ غایات و مقاصد کے میدانِ انتخاب میں چھوٹی چھوٹی خواہشوں کے پیچھے لپکتی ہے لیکن پے در پے ٹھوکریں کھاتی ہے اور ہر ٹھوکر اسے بالیدگی دے کر کسی بلند تر غایت و مقصد کی طرف متوجہ کرتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ہزار گم گشتگیوں کے بعد کسی مرحلے پر منزلِ جاناں نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔ وہ صرف ناکارہ روحیں ہوتی ہیں جو یا تو ہمیشہ کے لیے اپنے عالمِ طفولیت میں گم سم رہ جاتی ہیں، یا کوئی ٹھوکر کھا لینے کے بعد مایوسی و نامرادی کے گڑھے میں گر جاتی ہیں۔ جس روح میں جوہرِ خودی زندہ ہوتا ہے وہ چنیں تباں افتادگی سے ابتلا کرنے کے باوجود اندلیانِ زندگی کی انتہا تک جا پہنچتی ہیں۔ اثر صہبائی کے فن میں جو روح منعکس نظر آتی ہے وہ اپنے جوہرِ خودی کے بل پر ٹھوکریں کھاتی ہوئی آگے بڑھتی گئی ہے اور بالآخر پہنچی وہیں یہ خاکِ جہاں کا خمیر تھا! خود اثر صہبائی سے یہ روداد سنیے:

ہم نے کتنی ہی ٹھوکریں کھائیں　　جب کہیں راہِ راست پر آئے!
تھا نہ اک بھی نشانِ منزل کا　　گو ہزاروں نشاں نظر آئے!

ابتدائی دورِ گم گشتگی کی کیفیات کا یہ شعر پوری طرح ترجمان ہے کہ:

رہینِ نالہ ہوں اک طفلِ گم شدہ کی طرح　　اندھیری رات ہے اور وسعتیں بیاباں کی

اس طفلِ گم شدہ پہ جو کچھ گذری وہ بھی ملاحظہ ہو:۔

میں نے چاہا تھا کہ اک پھول کو توڑوں لیکن　　چبھ گیا خار بھی اور پھول بھی توڑا نہ گیا!
مدعا بھی نہ ملا اور دلِ مضطر بھی　　ٹکڑے ٹکڑے ہوا اس طرح کہ جُڑا نہ گیا!

© rasailojaraid.com